بوعلی اندر غبارِ ناقہ گم

جنہیں جناح سے عناد، پاکستان سے عناد اُنہیں خانقاہی نظام کے ذکر سے بھنگ اور چرس کا خیال آتا ہے!!

اقبالؒ اہل تصوف کا دیوانہ.....صوفی ویرانوں میں اُترے تو چراغ جلا دیئے..........اور یہ 'علمائے کرام'؟

شمشیر برہنہ۔زندہ انسانوں کو ذبح کیا۔مزاروں پر بارود برسایا۔جدت طراز سکالر......تصوف کو جہالت کہتے ہیں

عالم دین اور حریت کیش گاندھی جی کے دربار میں مؤدب............اخوت نہیں، محبت نہیں، محض طاقت کی تمنا

سوات اور قبائل کیا محض انارکی ہے یا اسی گاندھی کے مسلم اور غیر مسلم چیلے بھی؟

''رحمۃ للعالمین ﷺ سے تعلق کا دعویٰ ہے مگر ایسے خوں ریز؟ اس قدر سفاک، اس قدر سفاک؟

بوعلی سینا کو دانش و منطق اور مولانا رومؒ کو اقبال نے عشق و مستی کا استعارہ کیا۔

بوعلی اندر غبارِ ناقہ گم　　　　دستِ رومی پردۂ محمل گرفت

(بوعلی گرد میں گم ہو گئے اور راہِ سلوک کے مسافر مولانا روم نے اپنے مقصود کو پالیا)

طلوع سحر کی دل آویزی میں طالب علم سوچ رہا ہے کیا پھر یہ اندازِ دگر وہی داستان؟ کیا اقتدار کے جوش وجنوں میں بے گناہ مسلمانوں کے لہو سے تلواریں تر کرنے والوں کا انجام قریب آپہنچا۔بیسویں صدی میں کارِ تجدید اگر کسی نے کیا تو اقبالؒ نے۔درد کی اسی شدّت، ادراک کی ایسی وسعت، نصف شب کو ختم ہونے والی ایک ملاقات میں نواب زادہ نصراللہ مرحوم نے طالب علم سے اچانک پوچھا: اقبالؒ کے ہاں 'گلِ لالہ' کا استعارہ کہاں سے آیا؟ کہا مراکش اور تیونس کے مسلمانوں کی سرخ ٹوپی، جسے ہند میں ترکی کہا جاتا ہے۔پہلی عالمگیر جنگ میں ان کا لہو بے دردی سے بہایا گیا۔

خیاباں میں ہے منتظر لالہ کب سے　　　　قبا چاہیے، اس کو خونِ عرب سے

یہ بات اُس روز سمجھ میں آئی کہ متروک سرخ ٹوپی اس آدمی کو اتنی عزیز کیوں ہے۔پھر خواجہ مہر علی شاہؒ کی یاد۔اہل علم میں ایسے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ اس عہد میں آپ کے سوا کوئی شخص نظر نہیں آتا جو میری رہنمائی کر سکے۔رسول ﷺ کی اُمت کے لئے اقبالؒ کا دِل کس طرح تڑپتا تھا۔چکوال کے ایک گاؤں سے تعلق رکھنے والے نعیم صدیقی اکیس برس کے تھے جب ان کی زیارت کرنے گئے۔خاموش اور مؤدب۔شاعر بھی خاموش اور خیالات میں گم۔سر اُٹھایا تو یہ کہا 'افسوس کوئی مخلص مسلمان نہیں ملتا' پھر تہبند کے پلّو سے آنکھیں پونچھ لیں۔اسی اقبالؒ نے محمد علی جناحؒ کو اپنا لیڈر مانا۔1937 سے ٹی بی مبتلا تھے۔تیرہ برس کس طرح مر مر کے جیے مگر مسلمانوں کے لئے کیسی پناہ گاہ بنا دی۔جنہیں جناحؒ سے عناد ہے، انہیں پاکستان سے عناد ہے مگر اہل تصوف سے اقبالؒ کی شدید وارفتگی؟

جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والے ایک پروفیسر صاحب نے اخبار نویس کو لکھا ہے:

’نظامِ خانقاہی کے ذکر سے بھنگ اور چرس کا خیال آتا ہے‘۔

مگر اقبالؒ نے داتا گنج بخش سیدنا علی ہجویریؒ کو یاد کیا تو یہ کہا تھا:

صبح ما از مہر او تا بندہ گشت

خواجہ مودود چشت کے فرزند سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنے چہیتے شاگرد میاں طفیل محمد کو شیخِ ہجویر کی نادرِ روزگار تصنیف ’**کشف المحجوب**‘ کے ترجمے پر مامور کیا تھا۔ بھنگ اور چرس؟

تعلیم کے روانہ ہونے سے پہلے تاریخِ انسانی کا عظیم شاعر، خواجہ نظام الدین اولیاء کے مزار پر گیا اور اللہ سے دعا کی:

’میرا قدم ہم سفروں سے اس قدر آگے ہو کہ میری گردِ راہ مسافروں کی منزل ہو جائے‘

مجدد الف ثانیؒ کو ’**زیرِ فلک مطلع انوار**‘ کہا۔ ’**ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان**‘ لکھا۔ مثنوی مولانا روم کو لاکھوں نہیں کروڑوں نے پڑھا ہوگا۔ مغرب سمیت دُنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب، مگر اقبالؒ کے وہ دِل و جان پر بیت گئی۔ انہیں پیر رومیؒ کہا، خود کو مُرید ہندی۔ **آدمی نظر اُٹھا کر دیکھتا ہے تو ششدر رہ جاتا ہے۔ کتنے زمانوں پر پھیلا ہوا نور کا سلسلہ۔** علم کے ثمر سے لدے ہوئے شجر اور شاخیں جھکی ہوئی۔ اقبالؒ رومیؒ کو دیکھتے تھے، رومیؒ عطارؒ کو۔

ہفت شہر عشق در عطار گشت　　　ما ہنوز اندر خم یک کوچہ ایم

(عطار نے عشق کے ساتھ شہر کھنگال دیئے اور ہم ابھی ایک کوچے کے خم میں ہیں)

کیسے لوگ، تب زندہ، اب بھی زندہ۔ اور مولوی؟

قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے
اس کو کیا سمجھیں بیچارے دو رکعت کے امام

صوفی ویرانوں میں اُترے تو چراغ جلا دیئے۔ اور ان کے گرد شہر بسا دیئے۔ شیخ ہجویرؒ نہ ہوتے تو لاہور کا کیا ہوتا۔ تنہا خواجہ فریدالدین شکر گنجؒ نے ہزاروں کو مسلمان کر دیا۔

اور یہ ’علمائے کرام‘؟ شمشیر برہنہ۔ زندہ انسانوں کو ذبح کیا۔ مزاروں پر بارود برسایا۔

اس قابلِ رشک اُستاد، ڈاکٹر محمود غازی سے سوال کیا کہ **جدّت طراز سکالر ہیں جو تصوف کو جہالت کہتے ہیں۔** کہا: ان کی مانیں تو کتنی عظیم ہستیوں اور علوم کے کتنے ذخیروں کو دریابُرد کرنا ہوگا۔

خیال آج دوسرا تھا۔ اقبال کا تصورِ قومیت اور ہندی مسلمانوں کے لیے آزاد وطن کی آرزو لیکن عجیب دِن چڑھا ہے کہ دِل، دماغ کی سنتا ہی نہیں۔ چاندنی رات جاگ کر بِتا دی اور قلب کی کشتی بے پتوار ہے۔ اقبالؒ اور اس کا عہد۔ اوّل اس نے وطن سے محبت کا درس دیا۔ ’**یہ ہمالہ یہ فصیل کشور ہندوستاں**‘ پھر وطن کو بت کہا ’**ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے**‘۔

عجیب زمانہ تھا، ایک سے بڑا ایک عالم دین اور حریت کیش گاندھی جی کے دربار میں مؤدب۔ سارے مفکر اس پہ نثار مگر اقبالؒ نے سر اُٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ علماء اس سے مرعوب کیوں تھے؟ مقبولیت اور طاقت؟ مگر وہ تو محض اپنی قوم کا خیر خواہ تھا اور مسلم دوستی میں فقط ریا کار۔ اقبال اور محمد علی جناحؒ کیوں بے نیاز رہے؟ ہندوؤں کے رشی نے کہا: میں خاک پر بیٹھوں گا۔ محمد علی جناحؒ نے کہا: ضرور لیکن مجھے کرسی کی نشست پسند ہے۔ کہا: آپ کی قوم، آپ کو قائداعظم کہتی ہے، میں بھی۔ جواب ملا: پھول کو کچھ بھی کہیے وہ پھول ہی رہے گا۔ 'اگر ہندوستان تقسیم ہوا تو اندیشہ ہے خانہ جنگی ہوگی'۔ اسی وقار، متانت اور یقین سے انتباہ: 'لیکن اگر پاکستان نہ بنا تو مجھے یقین ہے کہ اس سے بھی زیادہ'۔ اقبال کبھی وطن پرست تھے اور جناح کبھی ہندو مسلم اتحاد کے سفیر۔ پھر انہیں الگ وطن کی بیتابی کیوں ہوئی۔ تیرہ برس محمد علی کے پھیپھڑوں کو ٹی بی چاٹتی رہی اور رزم گاہ میں کھڑا رہا۔ اس لیے کہ کسی قوم کو اس کی اپنی ریاست ہی امن کی ضمانت دے سکتی ہے۔ سپین کے مسلمان، امریکہ کے ریڈ انڈین اور آسٹریلیا کے ابرجین کچلے گئے برباد ہوئے۔ مرہٹوں اور سکھوں نے ہندی مسلمانوں کا قتلِ عام کیا، عساکر کا نہیں، عوام کا۔ کل بوسنیا اور چیچنیا، آج عراق اور افغانستان۔

سوات اور قبائل کیا محض انارکی ہے یا اسی گاندھی کے مسلم اور غیر مسلم چیلے بھی؟ مکمل امن تب آئے گا جب مغرب کے وحشی کابل سے چلے جائیں گے۔ وادیوں میں فاختائیں گیت گانے لگیں گی اور چرواہے بنسریاں، تو وقائع نگار درندگی کی کہانیاں لکھیں گے۔ سب داستانوں کے پس منظر میں ایک داستان ریاست کمزور یا بے حس ہو جائے تو اس کے بچوں پر کیا بیتا کرتی ہے۔ مگر ریاست کیا تحلیل کر دی جائے؟ ایک اور سپین؟ ماں باپ لاپرواہ بھی ہوتے ہیں۔ کبھی مجرمانہ غفلت بھی مگر کلیہ یہی ہے کہ ممتا تمام محبت اور باپ سراسر سائبان۔ والدین کے بغیر بچے اور ریاست کے بغیر اقوام نہیں جی سکتیں۔

حکمرانوں کی سنگدلی کے خلاف جہاد افضل جہاد ہے کہ آزادی عظیم ترین نعمت ہے مگر جدوجہد میں سلیقہ ہوتا ہے۔ علم، حکمت، حسنِ کلام، ایثار اور صبر 'وتواصو بالحق وتواصو بالصبر'۔ صداقت سے پیمان، صبر سے پیمان۔

ایک عجیب چیز مگر پچھلی صدیوں میں ایجاد ہوئی ہے۔ انقلابی، معافی کی مؤدبانہ درخواست کے ساتھ عرض ہے.... کہ اکثر محض ردِ عمل۔ نرا جنون، نرا انتقام۔ یہ لوگ کبھی کچھ تعمیر نہیں کر سکتے۔ محض تخریب۔ محض بغض و عناد۔ قائداعظم کے پاکستان سے بغض و عناد۔ رحمت للعالمین ﷺ سے تعلق کا انہیں دعویٰ ہے مگر ایسے خونخوار، اس قدر سفاک؟ اس قدر سفاک؟ ایمان نہیں، ایثار نہیں، نفی ذات نہیں۔ اخوت نہیں، محبت نہیں، محض طاقت کی تمنا۔ قوم کے باپ قائداعظم سے زیادہ گاندھی انہیں محبوب۔ نہیں وہ منزل کو نہیں پہنچیں گے۔ خلق خدا کی بددعاؤں سے راہ میں برباد ہونگے۔

بو علی اندر غبارِ ناقہ گم"

(بشکریہ روزنامہ جنگ آن لائن، مورخہ 8 جون، 2009۔ کالم: ناتمام..... ہارون الرشید)

❁❁❁❁

انجمن سرفروشانِ اسلام، انٹرنیشنل